بھٹو صاحب نے قادیانیوں کو کیسے غیر مسلم قرار دیا

جناب مصطفیٰ صادق، ایڈیٹر روزنامہ وفاق

تحریک ختم نبوت، ایسی عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوئی، جس کی مثال تحریک پاکستان اور تحریک نظام مصطفیٰ کے سوا ماضی کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس تحریک میں نمایاں کردار بلاشبہ عام مسلمانوں اور مختلف مذہبی فرقوں کے نمائندہ اور سرکردہ علماء ہی کا تھا۔ لیکن دینی مزاج رکھنے والے ایسے سیاسی زعما بھی اس تحریک کے ہراول دستے میں شامل تھے، جن کی فہم و فراست، سیاسی بصیرت اور مسئلہ ختم نبوت سے والہانہ عقیدت ان کے امتیازی وصف کی حیثیت رکھتی تھی۔

علماء کرام اور نواب زادہ نصراللہ خاں

علماء کرام کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان میں سے چیدہ چیدہ شخصیات کا ذکر بھی کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچے گی۔ البتہ سیاسی زعماء میں نواب زادہ نصراللہ خاں کا نام کسی تکلف کے بغیر سرفہرست شمار کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس تحریک میں انہوں نے پوری تندہی اور گرم جوشی سے حصہ لیا۔ عام سیاست دانوں کی علماء سے اس نوعیت کی ذہنی مناسبت بھی نہیں رہی، جس کا مظاہرہ نواب زادہ صاحب کے کردار میں..... مسلسل دیکھنے میں آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس رائے کے اظہار میں بھی کوئی

مضائقہ معلوم نہیں ہوتا کہ تحریک ختم نبوت بلاشبہ مذہبی تحریک تھی' لیکن اس کی کامیابی سے چونکہ اس وقت کی حکمران پارٹی---- جو فی الحقیقت مسٹر بھٹو کا ہی دوسرا نام تھا---- کی شکست کے نتیجے میں مسٹر بھٹو کا سیاسی زوال بھی مقدر سمجھا جاتا تھا' اس لیے اسی پس منظر کے باعث نواب زادہ نصراللہ خاں اور ان کے ہم مسلک دوسرے سیاسی رہنما تحریک ختم نبوت کی کامیابی سے اور بھی زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ اہمیت اس امر کو دی جا رہی تھی کہ تحریک ختم نبوت کی ناکامی بھٹو کی آمریت کو اور بھی زیادہ مستحکم بنانے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس اندیشے نے دینی اور سیاسی راہنماؤں کو نہ صرف پوری طرح متحد رکھا تھا' بلکہ حصول مقصد کے لیے ہمہ تن مستعد بھی رکھا تھا۔

تحریک ختم نبوت جوں جوں طول پکڑتی جاتی تھی' اس کی اثر انگیزی اور اس کی شدت وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کے باوجود قائدین تحریک' تحریک کی طوالت کے باعث بالعموم اس اندیشے کا اظہار کیا کرتے تھے کہ تحریک تشدد کی ایسی حدود میں داخل نہ ہو جائے کہ امن عامہ درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دوسرے یہ کہ عامہ المسلمین روزمرہ معمولات کے تعطل اور کاروباری بحران کے باعث ایسے مسائل و مصائب سے دوچار ہو کر مایوس اور بددل نہ ہو جائیں' جس کے نتیجے میں تحریک کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑے اور مسٹر بھٹو کی آمریت' کامیابی کے زعم میں' بدترین فاشزم کا روپ نہ دھار لے۔ ادھر مسٹر بھٹو نے تاخیری حربے کے طور پر یا یوں سمجھئے کہ ختم نبوت کے عوامی مطالبے کو جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے قومی اسمبلی میں ایک مباحثے کا آغاز کرا رکھا تھا' جس میں قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر کو اپنا موقف پیش کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا تھا۔

بائیکاٹ کی مہم

تحریک ہر لحاظ سے شد و مد کے ساتھ جاری تھی۔ اسی دوران قائدین تحریک نے قادیانیوں کے بائیکاٹ کی مہم شروع کر دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ اس مہم کے باعث فی الواقع تحریک تحفظ ختم نبوت کا مینوں کا سفر دنوں میں طے ہونے لگا۔ مخالفین کے چھکے چھڑا دیے اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ تاہم علما اور زعما بائیکاٹ

کی مہم کو بھی پر امن رکھنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرتے رہے۔ بعض مقامات سے معمولی نوعیت کے جھگڑوں کی اکا دکا وارداتوں کی اطلاعات تو ضرور ملتی رہیں، لیکن بحیثیت مجموعی بائیکاٹ کی مہم بھی پر امن ہی رہی۔ اس مہم نے ایک تو مسٹر بھٹو کو سرکاری سطح پر جوابی کارروائی کے لیے مجبور کر دیا اور دوسرے وہ ذاتی طور پر اس حد تک آتش زیر پا ہوئے کہ بات بات پر بگڑتے اور بے قابو ہو جاتے۔

وزارت اطلاعات کی جوابی مہم

غیظ و غضب کے اسی عالم میں وزارت اطلاعات کو قادیانیوں کے بائیکاٹ کے خلاف جوابی مہم چلانے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔ چنانچہ چند دنوں کے لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایسے بیانات اور مذاکرے نشر اور ٹیلی کاسٹ کیے گئے، جن سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ بائیکاٹ کی یہ مہم اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسی طرح اخبارات میں گھڑے گھڑائے بیانات شائع کرانے کا اہتمام بھی کیا گیا اور بعض مذہبی شخصیتوں کو نیشنل سنٹروں میں تقریروں اور خطبات جمعہ کے ذریعے بائیکاٹ کی اس مہم کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ ان تمام کوششوں کے اثرات تحریک ہی کے حق میں مفید ثابت ہوئے اور نہ صرف حکمران پارٹی کی ذلت و رسوائی میں اضافہ ہوا، بلکہ جس کسی نے ریڈیو، ٹی وی، اخباری بیان، کسی جلسے میں تقریر یا خطبہ جمعہ کے ذریعے بائیکاٹ کی اس مہم کے خلاف لب کشائی کی، اسے یا تو اپنے موقف سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا اور یا پھر اس کے لیے عام مسلمانوں سے معذرت خواہی کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ تحریک کے راہنماؤں اور رہنماؤں کا پلہ چونکہ بہت بھاری تھا اور اپنے موقف کی صداقت پر یقین بھی ان کا انتہائی اہم سرمایہ تھا، اس لیے نہ تو ان کے عزائم میں کسی فوری کمزوری کا اندیشہ تھا اور نہ ان کی بصیرت عدم توازن اور بے اعتدالی کی زد میں آسکتی تھی۔ لیکن مخالفین تحریک ہر مرحلے پر اس بری طرح پسپائی کا شکار ہو رہے تھے کہ ان کے قویٰ مضمحل اور جذبات مشتعل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر حکمران پارٹی کے وابستگان ایسے نفرت انگیز اور حقارت آمیز بیانات پر اتر آئے جن سے عوام میں بے چینی اور بے قراری تیزی سے بڑھنے لگی۔

نازک ترین لمحات

یہی وہ وقت تھا' جو قائدین تحریک اور اس کے مخالفین کے درمیان اعصابی جنگ کے نازک ترین لمحات کی حیثیت رکھتا تھا' چنانچہ نواب زادہ نصراللہ خاں نے یہ منصوبہ پیش کیا کہ قادیانی مسئلے کے بارے میں آخری فیصلے کے اعلان کے لیے کسی تاریخ کا تعین کرا لیا جائے تاکہ ایک تو تحریک ختم نبوت کی شدت و وسعت بحال رکھی جا سکے اور دوسرے تاریخ کے اعلان کے بعد مسٹر بھٹو کسی نہ کسی فیصلے کے اعلان پر مجبور ہو جائیں گے جو نواب زادہ نصراللہ خاں کے نزدیک عوامی مطالبات تسلیم کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا اور یہ کہ اس طرح مسٹر بھٹو کے لیے فرار کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔ نواب زادہ صاحب کے اس منصوبے کے پس منظر میں عوامی مطالبے کی کامیابی سے ہمکنار ہونے کی شدید خواہش کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی شامل تھی کہ امن و امان کو گزند نہ پہنچنے پائے۔ جن دنوں نوابزادہ صاحب کا یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچانے کے لیے غور و فکر کیا جا رہا تھا' مسٹر بھٹو سرکاری مصروفیات کے سلسلے میں کوئٹہ میں مقیم تھے۔

کوئٹہ میں بھٹو سے ملاقات

کوئٹہ کے لیے روانگی سے قبل ٹیلی فون پر ملٹری سیکرٹری کے ذریعے' میں مسٹر بھٹو سے ملاقات کی منظوری حاصل کر چکا تھا۔ کوئٹہ پہنچتے ہی ملٹری سیکرٹری سے رابطہ قائم کر لیا گیا جس کے بعد مجھے مسٹر بھٹو سے ملاقات کے لیے گورنر ہاؤس بلا لیا گیا۔ یہ ملاقات مقررہ وقت سے' جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' کم و بیش ڈیڑھ دو گھنٹے تاخیر سے ہوئی۔

اعتماد کا ووٹ

میں نے اپنی گفتگو کا آغاز مسٹر بھٹو سے اپنی ذات اور اپنی رائے پر اعتماد کا ووٹ طلب کرنے سے کیا۔ مسٹر بھٹو اگرچہ بے حد سنجیدہ اور غور و فکر کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے' انہیں اس وقت بلوچستان کے مسائل نے پریشان کر رکھا تھا' لیکن انہوں نے بڑے ہی شگفتہ انداز میں اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "مجھے آپ پر سو

فیصدی اعتماد ہے' اعتماد کہتے ہی اس کو ہیں' جو سو فیصد ہو' اس میں ایک فیصد بھی کمی آجائے تو اسے اعتماد نہیں کہا جاسکتا" آخری جملہ انہوں نے انگریزی میں ان الفاظ میں کہا:

"If It Is One Percent Less It Is No Confidence."

اہم واقعات

اب میں نے صورت حال کی سنگینی واضح کرنے کے لیے پہلے تو یہ کہا' صورت حال اس تیزی سے بگڑتی جارہی ہے کہ میں نے لاہور میں انتظار کیے بغیر ہنگامی طور پر اس حقیقت کے باوجود کوئٹہ میں اس ملاقات کی ضرورت محسوس کی ہے تاکہ حالات کے غلط رخ اختیار کر جانے سے قبل ہی اہم اور ضروری اقدامات کیے جاسکے۔ اس کے بعد چند اہم واقعات کا ذکر کیا۔ ایک کا تعلق قومی اسمبلی میں پیپلزپارٹی کے فیصل آباد سے ایک رکن مسٹر رندھاوا کے بیان سے تھا' جو اخبارات میں شائع ہو چکا تھا' جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اخبارات میں مجھ سے منسوب ایک بیان شائع کیا گیا ہے' جس میں کہا گیا ہے کہ میں نے قادیانیوں کے بائیکاٹ کی مخالفت کی ہے' میں نے کوئی ایسا بیان نہیں دیا۔ اس کے ساتھ ہی مسٹر رندھاوا نے اپنے ہاتھ میں ایک تار پکڑ کر فضا میں لہرایا اور کہا کہ مجھ سے منسوب اس غلط بیان کے شائع ہونے پر میرے والد گرامی نے اس تار کے ذریعے میری سرزنش کی ہے کہ یہ تم نے کیا بیان دے دیا۔ اس طرح مسٹر رندھاوا نے اسمبلی کے بھرے اجلاس میں اس بیان سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ دوسرا واقعہ صاحبزادہ فیض الحسن کی تقریر سے متعلق تھا۔ جس میں انہوں نے قادیانیوں کے بائیکاٹ کے بارے میں کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا' جو حاضرین جلسہ کو سخت ناگوار گزرے۔ جس کے سبب صاحبزادہ صاحب کو تقریر ختم کرنا پڑی اور بڑی مشکل سے صفائی پیش کر کے حاضرین جلسہ کے گھیراؤ سے نجات حاصل کی۔ تیسرا واقعہ لاہور کے نیشنل سنٹر میں مولانا محمد بخش مسلم کی تقریر سے متعلق تھا۔ اس تقریر کے بارے میں بھی خود مولانا مسلم صاحب ہی نے اگلے دن اخبارات کے ذریعے اس امر کی تردید کی کہ انہوں نے بائیکاٹ کے خلاف موقف اختیار کیا تھا۔ چوتھا واقعہ بھی اسی نوعیت کا حامل تھا جو راولپنڈی کے ایک عالم دین کے ساتھ پیش آیا۔

بھٹو کا ردعمل

ان چاروں واقعات سے متعلق اخبارات میں شائع شدہ مواد سند اور ثبوت کے طور پر' میں اپنے ہمراہ لے گیا تھا اور مسٹر بھٹو سے ملاقات کے دوران یہ اخبارات میرے ہاتھ میں تھے' جن کا میں نے ذکر بھی کیا' لیکن مسٹر بھٹو نے ان اخبارات کے مطالعے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسی طرح ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے وزارت اطلاعات کی "بھرپور" مساعی کے نتیجے میں انتہائی غیر موثر کوششوں کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ بائیکاٹ کی مہم آپ کے یا بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو' اس وقت عوام میں قادیانیوں کے خلاف غصے کا جو طوفان اٹھ چکا ہے' اس کے نتیجے میں آپ کی یہ مہم صرف یہی تاثر دے رہی ہے کہ آپ قادیانیوں سے ہمدردی اور ہمنوائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مسٹر بھٹو نے بائیکاٹ کے اس مسئلے پر شدید خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے غیر اسلامی ہی نہیں' غیر انسانی بھی قرار دیا اور کہا کہ یہ سراسر ایک انتظامی مسئلہ ہے اور یہ کہ وزیر اعظم کی حیثیت سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ کروں۔ مسٹر بھٹو نے بعض ایسے واقعات کا ذکر انتہائی غضب ناک لہجے میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔

میں نے مسٹر بھٹو کے بیان کردہ ان واقعات کی صحت و عدم صحت پر بحث کرنے کی بجائے ان پر صرف یہی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی کہ غیر یقینی کی اس کیفیت میں عام لوگوں کی بے چینی اور بیزاری بڑھ تو سکتی ہے' کم نہیں ہو سکتی اور یہ ٹی وی' ریڈیو' اخباری بیانات اور مختلف لوگوں کی تقریروں کے ذریعے قادیانیوں کے بائیکاٹ کی مہم کو ناکام بنانے یا ختم کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے' وہ جلتی پر تیل کا کام دے رہی ہے۔ قادیانیوں ہی کے نہیں' تحریک کے مخالفین سے بھی عوامی نفرت کا طوفان آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ اسے حدود میں رکھنے کے لیے اور صورت حال بے قابو ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ جلد از جلد کسی ایسی تاریخ کا اعلان کر دیا جائے جو آپ کی طرف سے اس مسئلے پر آخری فیصلے کے اعلان کی تاریخ ہو۔ صرف اسی طرح صورت حال قابو میں رکھی جا سکتی ہے۔ میں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ بائیکاٹ کے خلاف سرکاری اہتمام میں' جس جس محاذ سے جو جو کوشش

بھی کی جارہی ہے' اسے فوری طور پر ختم کردیا جائے۔ مولانا انصاری اور بعض دوسرے ارکان اسمبلی سے اپنی گفتگو اور صلاح مشورے کی روشنی میں میں نے مسٹر بھٹو کو یہ بھی بتایا کہ مرزا ناصر قومی اسمبلی میں اپنے موقف کی وضاحت اور ارکان اسمبلی کے سوالوں کے جوابات ۳۱ اگست تک ختم کرلیں گے۔ اس کے چند روز بعد آپ آسانی کے ساتھ آخری فیصلہ کرسکتے ہیں۔

کامیابی کی علامت

بعض دوسرے مسائل بھی اس ملاقات میں زیر غور آئے' جن پر گفتگو کے لیے مسٹر بھٹو نے اسے ڈی سی کے ذریعے اپنے سیکرٹری مسٹر افضل سعید خان کو طلب کرلیا اور مجھ سے بھی کہا کہ مسٹر افضل سعید خان ریسٹ ہاؤس میں مقیم ہیں۔ ان کے پاس جائیں اور یہ باتیں انہیں بھی بتائیں اور یہ تو ان سے ابھی کہہ دیں کہ یہ ریڈیو' ٹی وی پر جو کچھ ہو رہا ہے' اسے فوراً بند کرادیں۔ مسٹر افضل سعید خان کے نام مسٹر بھٹو کے پیغام کو میں اپنی مہم کی کامیابی کی ایک واضح علامت سمجھتا تھا۔ مسٹر بھٹو کا پیغام لے کر مسٹر افضل سعید خان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ میری اور وزیراعظم کی باہمی گفتگو کے بعض نکات ان کے علم میں لائے جاچکے ہیں۔ مسٹر افضل سعید خان کے کمرے میں داخل ہوا تو ان کا اردلی مسٹر دین محمد دوپہر کا کھانا لگانے میں مصروف تھا۔ مسٹر افضل سعید خان نے مجھے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا اور حیرت و استعجاب کے عالم میں پوچھا "کیا کر آئے ہو؟" آج ان لمحات کی یاد تازہ کرتا ہوں اور اس فضا کے نقوش ابھر کر ذہن میں آتے ہیں تو سوچتا ہوں کہ کتنا ہولناک اور خطرات سے لبریز سماں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقت بیانی اور صاف گوئی کی دولت بے پایاں سے اس حد تک نوازا کہ کسی بھی خوف اور خدشے سے بے نیاز ہو کر ہر وہ بات اس دور کی ہمہ مقتدر شخصیت..... مسٹر بھٹو.... تک پہنچادی' جو بلاشبہ ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد میں تھی' جو تقاضائے ایمان کی آئینہ دار تھی اور جو امن عامہ کے تحفظ کی ضمانت ثابت ہو سکتی تھی اور یہی نہیں' بلکہ انتظامیہ کے لیے بھی خیر کا پہلو انہی مشوروں پر عمل درآمد میں تھا۔

میرے لیے یہ معلومات اس اعتبار سے پریشانی کا موجب تھیں کہ اس مرحلے پر مولانا یوسف بنوری صاحب سے اعلیٰ سرکاری سطح پر رابطہ تحریک کے مقاصد کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ مسٹر بھٹو ے ستمبر کو قومی اسمبلی میں قادیانیوں سے متعلق اپنے فیصلے کا اعلان کرنے والے تھے اور انہی دنوں مولانا یوسف بنوری کے خلاف بے سروپا اور بے بنیاد الزامات پر مبنی اشتہارات بھی بعض اخبارات میں شائع کرائے گئے تھے' جو اگرچہ کسی نام نہاد انجمن کی طرف سے جاری کیے گئے تھے' لیکن عام احساس یہی تھا کہ یہ کھیل سرکاری اہتمام میں کھیلا جا رہا ہے۔ بعد میں یہ امر پایہ ثبوت کو بھی پہنچ گیا تھا۔

معلومات کا بوجھ

خیر تو میں نے معلومات کا "بوجھ" اٹھایا۔ مولانا مفتی محمود سے رابطہ قائم کیا' جو اسی گورنمنٹ ہوسٹل کے کمرہ نمبر ۴ میں اقامت پذیر تھے۔ اپنی معلومات انہیں منتقل کیں۔ انہوں نے مولانا یوسف بنوری کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے علماء کرام سے بھی رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی' لیکن فوری طور پر صرف مولانا مفتی زین العابدین اور مولانا عبدالرحیم اشرف ہی دستیاب ہو سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا یوسف بنوری بھی تشریف لے آئے۔

ٹیپ کے انتظامات

ان چاروں بزرگوں کا اجتماع مولانا مفتی محمود کے کمرے میں نماز عصر کے بعد شروع ہونے والا تھا۔ باہمی مشورے کے بعد کمرے سے باہر---- بلکہ کمرے کے عقب میں---- نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس لیے کہ اس دور میں یہ احساس یا اندیشہ بہت عام تھا کہ ہر کمرے میں' بلکہ ہر کمرے کے اندر' ہر ٹیلی فون کے ساتھ ایسے آلات نصب کیے گئے ہیں' جو ہر گفتگو ٹیپ کرنے کے کام آتے ہیں۔ یہ اندیشے صرف گورنمنٹ ہوسٹل تک ہی محدود نہیں تھے' اس قسم کے "انتظامات" بعض وفاقی وزراء بھی اکثر کرتے رہتے تھے اور بر سبیل تذکرہ یہ بھی عرض کر دوں کہ وفاقی وزیر اطلاعات جناب کوثر نیازی عام گفتگو کے دوران ہمیشہ اہتمام کے ساتھ ریڈیو آن (ON) رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اسے بند کرنے کے لیے

واپسی کا سفر

مسٹر افضل سعید خان کے ساتھ طعام و کلام سے فارغ ہو کر ہوٹل واپس آیا تو اپنے رفیق مسٹر الطاف حسن قریشی کو انتہائی شدید قسم کی تکلیف میں مبتلا پایا۔ ان پر ضعف اور نقاہت کا شدید غلبہ تھا۔ چلنا پھرنا تو درکنار، گفتگو تک کی سکت سے بھی محروم دکھائی دے رہے تھے۔ ایک طرف اپنی مہم کی کامیابی کی بے پناہ خوشی اور دوسری طرف یہ بے کیفی اور پردیس کا معاملہ بھی شاق گزر رہا تھا۔ ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کا خوف بھی مسلط تھا اور اس پر الطاف حسن قریشی کی علالت' چنانچہ بذریعہ ریل واپسی کا فیصلہ ہوا۔ الطاف صاحب کو اسمال کی شدید تکلیف تھی۔

لاہور پہنچنے سے پہلے ہی ریڈیو کے ذریعے یہ خبر ہم سن چکے تھے کہ وزیراعظم مسٹر بھٹو نے قادیانی مسئلے پر آخری فیصلے کے لیے تاریخ مقرر کرنے کی غرض سے اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کر لیا ہے۔ لاہور پہنچنے کے ایک دو دن بعد' ۷ ستمبر کی تاریخ کا تاریخی اعلان بھی سننے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ تاریخ کے اس تعین سے قادیانی مسئلے کے حل کی منزل قریب آنے کا یقین پہلے سے بھی پختہ ہو گیا۔ جسے بعد کے مراحل میں نصرت الٰہی نے سچ کر دکھایا۔

عجیب و غریب اتفاق

اسے عجیب و غریب اتفاق ہی تصور کرنا چاہیے کہ میں ۵ ستمبر ۷۴ء کو گورنمنٹ ہوسٹل (جسے ایم این اے ہوسٹل بھی کہا جاتا ہے) کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا' دوسری طرف جانی پہچانی آواز مذہبی امور کے سابق وزیر جناب کوثر نیازی کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر شہزاد کی تھی۔ مسٹر شہزاد نے پوچھا: مولانا صاحب ہیں؟ میں نے جواباً معلوم کیا' کون سے مولانا صاحب کی تلاش ہے۔ مسٹر شہزاد نے میری آواز پہچان لی اور رسمی سلام دعا کے بعد کہا "سر! مولانا یوسف بنوری صاحب کا آج رات مولانا صاحب (کوثر نیازی صاحب) کے یہاں کھانا ہے اور کل (۶ ستمبر کو) وزیراعظم صاحب نے مولانا بنوری صاحب کو ملاقات کے لیے وقت دیا ہے" میں نے مسٹر شہزاد سے تو صرف اتنا کہا کہ میں مولانا بنوری صاحب کو تلاش کر کے ان تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گا' لیکن

اصرار کیا گیا تو ہنستے ہوئے بولے ریڈیو کے تمام پروگراموں سے باخبر رہنا چونکہ میری منصبی ذمہ داری ہے' اس لیے ان کا "آن" رہنا ہی ضروری ہے' لیکن جب بند کرنے کے لیے اصرار کیا گیا تو نیازی صاحب نے "سرکاری" راز فاش کر ہی دیا اور بولے "بھئی آپ کو معلوم نہیں' ہماری گفتگو اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہے کہ اسے ریڈیو کی آواز کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے۔ اس لیے کہ "سرکار" نے ہر کمرے میں' ہر طرح کی گفتگو سے باخبر رہنے کا اہتمام کر رکھا ہے اور بڑے جدید آلات Bugging کے لیے جگہ جگہ نصب کر رکھے ہیں" خیر یہ بات تو ضمناً نوک قلم پر آ گئی۔ مفتی صاحب کے کمرے کے عقب میں مختصر سی نشست میں---- جس میں مولانا یوسف بنوری صاحب نے اس امر کی تصدیق کر دی کہ رات کے کھانے پر انہیں کوثر نیازی صاحب نے مدعو کر رکھا ہے اور کل وزیر اعظم سے ملاقات کی ابھی کوئی توثیق نہیں ہوئی۔

اس مجلس میں میری حیثیت تو صرف ایک راوی کی تھی کہ میں نے دعوت اور ملاقات سے متعلق سنی سنائی بات ان حضرات تک پہنچا دی اور مجلس کے دوران میں خاموشی کے ساتھ گفتگو سنتا رہا' لیکن دل ہی دل میں' میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل (۶ ستمبر کو) مسٹر بھٹو سے مولانا بنوری کی ملاقات منسوخ کرانے کی کوئی صورت نکالنا چاہیے۔ اپنی اس سوچ کا ذکر میں نے مولانا عبدالرحیم اشرف سے کر دیا' جنہوں نے میری تائید کی۔ چنانچہ میں نے رات ہی مسٹر بھٹو سے ان کے ملٹری سیکرٹری کے ذریعے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ جس کے لیے اگلے دن (۶ ستمبر) ساڑھے نو بجے صبح کا وقت طے ہو گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' مسٹر بھٹو سے میری جتنی بھی ملاقاتیں ہوئیں' ان میں سے کوئی بھی ملاقات گیارہ بجے سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ یہ پہلی ملاقات تھی' جو ساڑھے نو بجے ہونے والی تھی۔

بے چینی کی رات' بے قراری کے لمحات

رات بھر طبیعت شدید بے چین رہی۔ قومی اسمبلی کی ارکان ہی نہیں' پوری قوم منتظر تھی کہ ۷ ستمبر کو قادیانیوں کے بارے میں کیا اعلان ہونے والا ہے۔ ملک بھر میں مسلح فوجی دستے گشت کر رہے تھے۔ فوج کا یہ گشت اتنا منظم اور اتنا وسیع تھا کہ ایام جنگ کے سوا اس نوعیت کی فوجی نقل و حرکت قیام پاکستان سے لے کر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔

چنانچہ عام شاہراہوں پر ہی نہیں' تمام اہم قومی تنصیبات اور دور دراز قصبات تک میں فوجی افسر اور جوان تعینات کیے جا چکے تھے۔ سرکاری سطح پر اس قسم کے انتظامات کے باعث یہ اندیشہ بار بار سامنے آتا تھا کہ مسٹر بھٹو' جس فیصلے کا اعلان کرنے والے ہیں' وہ عام مسلمانوں کے مطالبے سے مختلف ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کو امن عامہ بگڑنے کا خوف لاحق ہے۔ جس کے لیے فوج کو نہ صرف یہ کہ تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے' بلکہ ہر قسم کی صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے بھرپور قسم کی تیاریاں کی جا چکی ہیں۔

میرا قیام مری روڈ پر دوسرے درجے کے ایک ہوٹل میں تھا۔ الطاف حسن قریشی بھی میرے ساتھ مقیم تھے اور مشوروں میں بھی شریک تھے۔ صبح اٹھتے ہی وزیراعظم کے اے ڈی سی کا فون آیا۔ ملاقات کا وقت کنفرم کیا۔ چنانچہ میں ٹھیک ساڑھے نو بجے مسنون دعاؤں کا ورد کرتے ہوئے وزیراعظم ہاؤس میں ملاقات کے لیے مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔ ایک آدھ منٹ کے بعد ہی اے ڈی سی نے کمرے کے دروازے پر اپنے مخصوص فوجی انداز میں "جناب وزیراعظم" کے الفاظ کہے' جو ملاقاتی کو مودب انداز میں وزیراعظم کا استقبال کرنے کے لیے کہے جاتے ہیں۔

ہم حکومت چھوڑ رہے ہیں

مسٹر بھٹو سے مصافحہ کرتے ہی کچھ یوں لگا جیسے بے چینی ہی نہیں' مزاج کی برہمی بھی عروج پر ہے۔ سخت غصے کے عالم میں ہیں۔ میری طرف دیکھنے کے بجائے صوفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا اور بولے "اچھا ہوا' آپ آ گئے ہیں۔ ابھی کچھ اور لوگ بھی آنے والے ہیں اور سب سے پہلے ہماری بیگم سے ملاقات ہو گی۔ ہم حکومت چھوڑ رہے ہیں"۔

میں مسلسل دو سال کی ملاقاتوں میں مسٹر بھٹو کے مزاج سے کچھ نہ کچھ واقف ضرور ہو گیا تھا' لیکن یہ بات ایک تو میرے لیے یکسر خلاف توقع تھی اور یوں بھی اچانک اس قسم کے فیصلے کی اطلاع کوئی معمولی بات نہ تھی' اس لیے فوری طور پر نہ یہ نتیجہ اخذ کرنا ممکن تھا کہ جو کچھ میں سن رہا ہوں' اس میں حقیقی جذبات کا کس حد تک دخل ہے اور بناوٹ یا تصنع کا کتنا حصہ ہے اور نہ ہی جواباً کچھ کہنے کی پوزیشن میں تھا' البتہ کچھ وقت لینے کے لیے میں نے

یہ بات کہی کہ دوسرے لوگوں کے آنے سے پہلے مجھے چند منٹ تنہائی میں ضرور دیں۔ میں بھی آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں مسز بھٹو دروازے پر نمودار ہوئیں۔ مسٹر بھٹو نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے انگریزی میں Please Wait (ذرا ٹھہریے) کے الفاظ خاصے درشت لہجے میں کہے۔ بیگم بھٹو بھی وزیراعظم کی طرح سخت مغلوب الغضب معلوم ہوتی تھیں۔ وہ ایک لمحہ توقف کیے بغیر آئے پاؤں واپس چلی گئیں۔ اس کا احساس شاید مسٹر بھٹو کو بھی ہو گیا--- بعد میں اس کا ثبوت بھی کچھ کچھ مل گیا--- کہ بیگم بھٹو پہلے ہی سے سخت ذہنی کرب میں مبتلا تھیں اور مسٹر بھٹو دونوں کے لیے اعصابی کشیدگی اور ذہنی تلخی وقتی نہیں تھی' بلکہ گزشتہ چند دنوں سے وہ اسی کیفیت میں مبتلا رہے ہوں گے۔ تاہم مسٹر بھٹو نے' مسز بھٹو کی خفگی دور کرنے کے لیے اے ڈی سی کو فون پر حکم دیا کہ وہ بیگم صاحبہ کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ میں ابھی چند منٹ میں انہیں بلا رہا ہوں۔ ادھر میری طرف دیکھتے ہوئے مسٹر بھٹو نے کہا "ہاں بتائیے" میں نے ذرا دھیمے لہجے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا "جو بھی فیصلہ کرنا ہو' سوچ سمجھ کر ذرا اعتدال سے کام لیتے ہوئے کریں' آپ مجھے سخت رنجیدہ خاطر معلوم ہوتے ہیں۔ میں مسئلے کی نزاکت سے بھی آگاہ ہوں اور آپ کی پوزیشن بھی سمجھتا ہوں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اصل مسئلے پر گفتگو کی جائے' میں آپ سے یہی عرض کروں گا کہ آپ Issue کے کھڑا ہونے سے لے کر اس ضمن میں اب تک جو واقعات رونما ہو چکے ہیں اور آپ کی طرف سے جو بیانات دیے جا چکے ہیں' وہ یکسر نظرانداز کر کے جو بھی فیصلہ کیا گیا' وہ نہ تو ملک اور قوم کے لیے مفید ہو گا اور نہ آپ کے سیاسی مستقبل کے لیے"

باتوں باتوں میں' میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اس مرحلے پر آپ علماء میں سے کسی بھی عالم دین سے انفرادی طور پر ملاقات ہرگز نہ کریں۔ مسٹر بھٹو خاموشی سے میری بات سن رہے تھے لیکن ان کی پیشانی کے شکن کھلنے کے بجائے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ وہ عام طور پر بیچ دار گفتگو سننے کے عادی نہیں تھے۔ چنانچہ مجھے کھل کر بات کرنے کو کہا۔ جس پر میں نے دل کی بات بڑی صفائی سے کہہ ڈالی۔ میں نے کہا "آپ نے آج مولانا یوسف بنوری کو ملاقات کے لیے بلایا ہے۔ یہ ملاقات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہو گی"۔ مسٹر بھٹو اس وقت اگرچہ اس قسم کی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھے' اس لیے کہ وہ تو بنیادی

مسئلے ہی کے بارے میں غیر معمولی تذبذب اور تردد کا شکار تھے اور سخت قسم کے ذہنی عذاب میں مبتلا تھے۔ میری یہ بات ان کے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ضرور ہو گئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چند گھنٹوں پر مشتمل گرما گرم گفتگوؤں اور انتہائی تلخ بحثوں کے بعد (جن کا ذکر آگے آتا ہے) اپنے ایک وزیر کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا اور کہا "مولانا یوسف بنوری سے ملاقات کی کیا ضرورت ہے؟" اور بس۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ہم مولانا یوسف بنوری کو تو قائل نہیں کر سکے تھے کہ اس مرحلے پر مسٹر بھٹو سے ان کی ملاقات مصلحت کے خلاف ہو گی' اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا بنوری کو اپنی بصیرت پر اعتماد تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ مومن نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکے میں آتا ہے' لیکن ہمیں صرف یہ اندیشہ تھا کہ اس آخری مرحلے پر حالات کوئی ایسا رخ اختیار نہ کر لیں کہ خدانخواستہ مولانا یوسف بنوری جیسی عظیم دینی شخصیت کو' جنہیں اس تحریک میں مرکزی کردار کا مقام حاصل ہو چکا تھا' بلاوجہ کسی تہمت کا نشانہ بننا پڑے۔ خیر' تو اس راستے سے نہ سہی' یہ ضرورت اس طرح پوری ہو گئی کہ مسٹر بھٹو نے خود ہی یہ ملاقات منسوخ کر دی۔

مسز بھٹو کو بلاوا

میں جب مسٹر بھٹو کو اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دے چکا اور مولانا یوسف بنوری سے مجوزہ ملاقات کا تذکرہ بھی ہو چکا تو مجھ سے استفسار کے بعد مسٹر بھٹو نے اے ڈی سی کے ذریعے مسز بھٹو کو ملاقات کے کمرے میں بلا بھیجا۔ میں اور بھٹو آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ مسز بھٹو میرے دائیں ہاتھ دوسرے صوفے پر بیٹھ گئیں اور منتظر تھیں کہ گفتگو کا آغاز ہو۔ مسٹر بھٹو اس سے پہلے بھی اگرچہ بعض مواقع پر میرا تعارف کرا چکے تھے' لیکن آج پھر انہوں نے اپنے انتہائی مخلص دوست کی حیثیت سے ایک دو جملوں سے میرے تعارف کی تجدید کی اور اس کے معاً بعد انتہائی تند و تیز لب و لہجے میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں مسز بھٹو کو بتایا "میں نے مصطفیٰ صادق کو بتا دیا ہے کہ ہم حکومت چھوڑ رہے ہیں' ہم کسی کو کافر قرار نہیں دے سکتے۔ ایسے فیصلے کرنے سے بہتر ہے کہ ہم حکومت چھوڑ دیں۔ ہم حکومت چھوڑ رہے ہیں"۔ مسز بھٹو بولیں "ایسی حکومت کا کیا مطلب' جس میں دوسروں کی مرضی پر چلنا ہو' دوسروں کے فیصلے ماننا ہوں' یہ ملا کی جیت ہو گی' ہم کسی کو

کافر کیوں قرار دیں؟ مودودی کہتا ہے تو کہے 'ملا کہتا ہے تو کہے"۔

غیر معمولی صورت حال

اب میں کچھ کچھ محسوس کر رہا تھا کہ صورت حال فی الواقع بگڑی ہوئی ہے۔ اور معاملات الجھ بھی سکتے ہیں۔ لیکن باہر پوری قوم علماء کے تمام طبقوں کے نمائندوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے' جس طرح اس مطالبے کے حق میں یک جان و یک قالب ہو چکی تھی' اور خود اس مطالبے کی حقانیت کے باعث میں پوری طرح ڈانواں ڈول تو نہیں ہوا تھا' لیکن سچی بات یہ تھی کہ اندر ہی اندر کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ یہ لمحات بڑے ہی نازک اور انتہائی خطرناک تھے۔ اسی قسم کے جملے ردوبدل کے ساتھ مسز اور مسٹر بھٹو نے ایک بار پھر دہرائے اور میں نے اعتدال پسندی سے کام لینے کی بات کا اعادہ کیا' اتنے میں سات آٹھ منٹ گزر چکے تھے' ماحول کی تلخی بری طرح ڈس رہی تھی۔

کیا خوب سوجھی!

غصے اور غضب سے آلودہ اس ماحول کو کچھ تبدیل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے خوب بات سجھائی۔ میں نے مسز بھٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیا آج اس غصے کی وجہ سے ہم چائے سے بھی محروم رہیں گے' ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا" ابھی میں جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ مسز بھٹو نے ایک دو تین بار مسلسل گھنٹی بجائی اور بیرے پر غصہ نکالتے ہوئے اسے خوب ڈانٹا اور چائے مع ضروری لوازمات کا آرڈر دیا۔ بس یوں سمجھئے کہ بیرے کو ڈانٹ ڈپٹ کے بعد مسز بھٹو کے غصے کا طوفان اگر بالکل تھم نہیں گیا تو اس کی رفتار چوتھے گیئر سے تیسرے گیئر میں ضرور آ گئی۔ ادھر مسٹر بھٹو نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "باہر پیرزادہ اور اٹارنی جنرل بھی آئے بیٹھے ہیں" (پیرزادہ کا نام انہوں نے کچھ ایسے الفاظ میں لیا' جن کا ذکر مناسب معلوم نہیں ہوتا) میں ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کہہ سکتا تھا' اگرچہ غنیمت ہے کہ انہوں نے اپنی تائید میں کچھ کہلوانے کی کوشش نہیں کی ورنہ بعض اوقات وہ یہ بھی کیا کرتے تھے کہ کسی شخص کو اپنے پسندیدہ نام سے پکارتے اور مخاطب سے بھی پوچھتے کہ میں نے اس کا نام ٹھیک رکھا ہے نا؟ لیکن اچھے موڈ اور اچھے ماحول میں ایسی

بات کہا کرتے تھے' آج تو موڈ ہی کچھ اور تھا۔ موڈ ہی کیا سارا رنگ ڈھنگ ہی بدلا ہوا تھا لیکن خدا بھلا کرے یحییٰ بختیار کا کہ انہوں نے آتے ہی فضا کا رنگ اور مسٹر بھٹو کی سوچ کا ڈھنگ اگر مکمل نہیں تو بڑی حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا۔ کیا خوفناک ماحول تھا اور کتنا عجیب و غریب منظر تھا۔

مسٹر حفیظ پیرزادہ وزیر قانون' اور مسٹر یحییٰ بختیار (اٹارنی جنرل) اسی مختصر سے کمرہ ملاقات میں داخل ہوئے تو مسٹر بھٹو نے سب سے پہلے مسٹر پیرزادہ سے ذرا تلخ لہجے میں کہا: "کل ۷ ستمبر ہے' کیا کرنے والے ہو؟ کہاں گیا ہمارا سوشلزم؟" مسٹر پیرزادہ صورت حال کی سنگینی سے یکسر بے خبر معلوم ہوتے تھے۔ بے ساختہ بولے "سوشلزم ہماری معیشت ہے۔۔۔۔۔ اسلام ہمارا دین ہے"۔

دھونس اور دبدبے سے دلیل اور اپیل تک

مسٹر بھٹو گرج دار آواز میں بولے "تمہارا اسلام یہی ہے کہ دوسروں کو کافر قرار دو۔ ہم ایسے فیصلے نہیں کر سکتے۔ ہم ایسی حکومت نہیں کر سکتے۔ ہم نے حکومت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے" مسٹر بھٹو بولتے جا رہے تھے "کدھر ہے تمہارا....؟" ایک دو منٹ کے اندر اندر یا اس سے کم وقفے میں کوثر نیازی بھی شریک مجلس ہو چکے تھے۔ پیرزادہ کی طبیعت اب پہلے کی سی چمک مہک سے محروم ہو چکی تھی۔ دبے لفظوں میں بولے "ہمارے لاء سیکرٹری بھی باہر آئے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی بلا لیں تو اچھا ہے" بھٹو نے صرف سر ہلا کر اس کی منظوری دی اور جسٹس محمد افضل چیمہ بھی کمرے میں آ داخل ہوئے اور گفتگو دھونس اور دبدبے کے بجائے دلیل اور اپیل کا رخ اختیار کر گئی' جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے۔ اس تبدیلی کا سہرا یحییٰ بختیار کے سر تھا۔

یحییٰ بختیار۔۔۔۔۔ مرد جری

سچی بات یہ ہے کہ یحییٰ بختیار کا یہ کارنامہ اتنا عظیم اور اتنا غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے' کم ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مسٹر بھٹو کی پارٹی میں کوئی ایسا مرد جری بھی شامل ہے' جو بلا خوف و خطر اپنا موقف نہ صرف یہ کہ شد و مد

کے ساتھ بیان کردے' بلکہ استدلال کی قوت سے مسٹر بھٹو جیسے حکمران کو..... عین اس مرحلے پر جب کہ وہ بے یقینی اور مایوسی کی دلدل میں گھٹنے گھٹنے پھنسا ہوا ہو' اور غیظ و غضب کے عالم میں سارے پینترے بھول چکا ہو..... زور استدلال سے صورت حال کا رخ تبدیل کردے۔ چنانچہ جونہی یکے بعد دیگرے مسٹر بھٹو اور مسز بھٹو نے اپنی رٹی پٹی باتیں دہرائیں اور کہا "یہ ملاکی جیت ہے۔ لوگ کہیں گے مودودی جیت گیا ہے۔ ہم کون ہیں' کسی کو کافر قرار دینے والے۔ ایسا اعلان کرنے سے بہتر ہے حکومت چھوڑ دی جائے۔ ہم نے حکومت چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہم مستعفی ہو رہے ہیں"۔ یحییٰ بختیار کی ایمان افروز گفتگو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ انتہائی موثر اور پر مغز گفتگو۔ "آپ حکومت چھوڑ رہے ہیں یا آپ سیاست سے بھی دست بردار ہو رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس ایشو (Issue) پر مستعفی ہو رہے ہیں۔ کیا آپ پبلک کے سامنے اپنے استعفیٰ کا جواز ثابت کر سکیں گے؟" کاش میں اسمبلی کی اس کارروائی کا خلاصہ (یحییٰ بختیار نے Summary کے الفاظ استعمال کیے تھے) اپنے ہمراہ لے آتا اور آپ کو بتاتا کہ مرزا ناصر نے کیا کچھ کہا ہے۔ کیا موقف اختیار کیا ہے؟ یہ کون کہتا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے سے ملاجیت جائے گا؟ آپ کو معلوم ہے کہ احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا کیا موقف ہے؟ ہم اسی موقف کے قائل ہیں۔ اگر کسی کے خیال میں قادیانیوں کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے تو پھر انہیں قادیانیوں کا یہ نقطہ نظر درست تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم اور آپ غیر مسلم ہیں"۔

حفیظ پیرزادہ بھی بولے

یحییٰ بختیار کی اس ولولہ انگیز گفتگو کے بعد دوسرے شرکاء مجلس کو بھی زبان کھولنے کا حوصلہ ہوا۔ حفیظ پیرزادہ بولے "جو کچھ قومی اسمبلی میں ہوا ہے' اس کے بعد تو اسی فیصلے کا اعلان کرنا پڑے گا لیکن آپ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور اس فیصلے کو آئینی شکل دینے کے حق میں نہیں ہیں تو اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر میں آپ کے ساتھ ہوں"۔

بیٹی کا خط

میں نے بھی یحییٰ بختیار کی گفتگو کے بعد مداخلت کی کچھ گنجائش محسوس کی اور مسٹر بھٹو

کو ان کی بیٹی کا ایک خط یاد دلایا جو خود مسٹر بھٹو نے چند دن پہلے سنایا تھا اور جس میں اسمبلی کی کارروائی کے حوالے سے یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ اس کاروائی سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ "یا قادیانی غیر مسلم ہیں یا ہم" مسٹر بھٹو نے اس خط کی تفصیلات کی تصدیق کی لیکن مسز بھٹو خاموش رہیں اور کچھ یوں دم بخود سی ہو گئیں' جیسے لاجواب ہو گئی ہوں۔ شاید اس لیے کہ ان کے سامنے ان کی بیٹی کا موقف بیان کر دیا گیا تھا اور بیٹی بھی وہ جو انہیں بے حد عزیز تھی اور جس کی رائے ان کے نزدیک اہمیت اور وقعت کے اعتبار سے آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

ماحول میں آسودگی

ماحول میں تلخی اور کشیدگی کی بجائے سکون اور آسودگی محسوس کرتے ہوئے میں نے سلسلہ واقعات (Chain Events) کا ذکر کیا۔ خصوصیت کے ساتھ مسٹر بھٹو کے مثبت اور واضح بیان' جن سے عام مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کی تائید کا پہلو نکلتا تھا' اور دوسرے یہ کہ ۷ ستمبر کو اس مسئلے کے بارے میں فیصلے کا اعلان کیا جا چکا ہے' جس کا منطقی تقاضا یہی ہے کہ اپنے عقیدہ و ایمان کی تائید میں صحیح فیصلے کا اعلان کر دیا جائے۔

ایک اہم گزارش

ایک گزارش میں نے یہ بھی کی کہ وزیر اعظم خواہ مخواہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ وہ قادیانیوں کو کافر قرار دینے کی ذمہ داری قبول کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلامی عقیدے کی رو سے قادیانی مسلمہ طور پر' طے شدہ حقیقت کے طور پر پہلے سے غیر مسلم ہیں۔ اس طے شدہ اور تسلیم شدہ حقیقت کو صرف اور صرف آئینی شکل دینے کی ذمہ داری---- جو ایک اہم سعادت کی حیثیت بھی رکھتی ہے---- قومی اسمبلی قبول کر رہی ہے جس کا اعلان قائد ایوان کی حیثیت سے وزیر اعظم کرنے والے ہیں۔ آئینی دفعہ کے اضافے کا یہ فیصلہ قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ ہے۔ پوری قوم کا متفقہ فیصلہ ہے۔ عالم اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے۔ اس لیے یہ غلط فہمی بلاوجہ پیدا ہو رہی ہے کہ مسٹر بھٹو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والے ہیں۔ ہاں البتہ اس کی زبان سے اگر یہ اعلان ہونے والا ہے اور اسے

آئین کا حصہ بنایا جانے والا ہے تو اس سے حکومت کی اور پوری قوم کی ذمہ داری میں ایک اہم اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت کے طور پر تحفظ کا یقین دلائیں۔ یہ ذمہ داری ایک مقدس مذہبی فریضے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور یہ فیصلہ خود قادیانیوں کے لیے بھی مضر ہونے کے بجائے مفید ثابت ہو گا۔ آخر میں' میں نے یہ بھی عرض کر دیا کہ خدانخواستہ کل آپ اس فیصلے کا اعلان نہیں کرتے تو نظم و نسق بحال رکھنے کے تمام تر انتظامات کے باوجود صورت حال آپ کے قابو میں نہیں رہے گی اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس ملک کا حشر کیا ہو گا؟

یحییٰ بختیار کی تائید

جناب یحییٰ بختیار اگرچہ اپنی بات' وضاحت اور صراحت سے کہہ چکے تھے لیکن میری تائید میں انہوں نے ایک مرتبہ پھر اپنے موقف کا اعادہ کیا اور مسٹر بھٹو پر زور دیا کہ وہ بلاوجہ نہ تو کسی غلط فہمی کا شکار ہوں اور نہ اس بنا پر کسی کمزوری کا مظاہرہ کریں کہ اس فیصلے سے کسی دوسرے گروہ کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ کوثر نیازی اور جسٹس چیمہ نے بھی یحییٰ بختیار کے موقف کی تائید کی لیکن شاید اس لیے کہ دلائل کا اعادہ غیر ضروری تھا۔ ان کی گفتگو بہت مختصر تھی۔ جسٹس چیمہ نے خاص طور پر اس پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اس فیصلے کے اعلان کے بعد امن عامہ کے تحفظ کا بطور خاص خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

وفد سے ملاقات

اس وقت تک گفتگو شروع ہوئے تقریباً اڑھائی گھنٹے گزر چکے تھے اور قومی اسمبلی میں اپوزیشن کا ایک وفد بھی ملاقات کے لیے منتظر تھا۔ چنانچہ مجھے اسی کمرے میں چھوڑ کر مسٹر بھٹو اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ وزیر اعظم ہاؤس کے ایک بڑے کمرے میں چلے گئے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' اپوزیشن کے اس وفد میں مفتی محمودؒ' پروفیسر غفور' مولانا نورانی اور جناب مولا بخش سومرو شامل تھے۔ کم و بیش ایک گھنٹہ یہ ملاقات جاری رہی۔ موضوع گفتگو یہی مسئلہ تھا۔ اس کے بعد اپوزیشن کا وفد واپس چلا گیا اور مجھے بھی دوسرے کمرے میں بلا لیا گیا۔

معنی خیز گفتگو

مسز بھٹو اپوزیشن کا وفد آنے سے پہلے ہی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں لیکن ان کے کمرہ چھوڑنے سے قبل مسٹر بھٹو نے حفیظ پیرزادہ سے انتہائی معنی خیز انداز میں پہلے تو یہ پوچھا کہ اگر یہی فیصلہ ہونے والا ہے تو ظاہر کو کیا جواب دو گے۔ پیرزادہ نے مسٹر بھٹو کو اطمینان دلایا کہ آپ یہ بات مجھ پر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد کوئی دو سرا نام لیے بغیر مسٹر بھٹو نے یہی سوال پھر دہرایا اور دو دفعہ اور..... اور..... کے الفاظ زبان سے ادا کیے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ مسٹر حفیظ پیرزادہ اپنے قائد کا مدعا سمجھ گئے ہیں۔ چنانچہ جواب میں انہوں نے صرف اتنا کہا' بس آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ مسٹر بھٹو اگرچہ اس بات سے پوری طرح مطمئن تو نہ تھے' لیکن وہ کچھ اور کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھے۔ انہوں نے بالآخر کھل کر کہہ دیا "کیا کیا وعدے لوگوں سے کر رکھے تھے' وہ روزانہ یہاں چکر لگاتے ہیں" حفیظ پیرزادہ یہی بات کہے جا رہے تھے "آپ ان کی فکر نہ کیجئے۔ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے"۔

اف یہ بے بسی

عجیب بے بسی کی کیفیت تھی۔ فیصلہ جس کا اعلان کرنا مقدر ہو چکا تھا' اس پر نہ دل مطمئن تھا نہ یہ ضمیر کی آواز کے مطابق تھا اور بظاہر عقیدہ و ایمان کے نقطہ نظر سے ان کے نزدیک اس کی کچھ ایسی حیثیت بھی نہ تھی۔ پس ایک سیاسی ضرورت' ایک سیاسی مصلحت' حالات کی مجبوری کے سوا اور کوئی وجہ نہ تھی جو اس فیصلے کا موجب بن رہی تھی۔ خیر تو اس فیصلے کے اعلان سے پہلے ابھی خطرہ ہی خطرہ تھا۔ اندیشے ہی اندیشے اور وسوسے ہی وسوسے تھے۔ تاہم اپوزیشن سے گفتگو کے بعد جب مجھے بڑے کمرے میں بلایا گیا تو اب برہمی اور غصے کی کیفیت میں نہیں بلکہ افسردہ اور پژمردہ حالت میں دھیمی دھیمی آواز میں بس اتنا کہا "اچھا مصطفیٰ الاء سیکرٹری جسٹس چیمہ نے ایک مسودہ تیار کر رکھا ہے۔ آپ اسے پڑھ لیں۔ کل اسے آئین کا ایک حصہ بنا دیا جائے گا۔ آپ کے مشوروں کا شکریہ" اس وقت کم و بیش ڈیڑھ پونے دو کا وقت تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ مسودے کی چٹ میرے ہاتھ میں تھمانے کے بعد مسٹر بھٹو نے مولانا یوسف بنوری کا ذکر کیا کہ اب انہیں ملنے کی کیا ضرورت ہے اور

ساتھ ہی میری طرف دیکھنے کے بعد کوثر نیازی کی طرف دیکھا۔ ہم دونوں خاموش رہے۔ اس لیے کہ میں تو پہلے ہی اپنی رائے بتا چکا تھا اور اس وقت مولانا کا ذکر کرنے کا مقصد صرف کوثر نیازی کو اطلاع دینا تھا۔

اتنے اہم فیصلے کے بارے میں آخری نتیجے پر پہنچنے کے بعد ایک نیا مسئلہ چھیڑ دیا کہ بالغ رائے دہی کے اصول کے مطابق رائے دہندوں کی عمر کم کیوں نہ کر دی جائے تاکہ طلبہ کو خوش کیا جا سکے۔ جس کے لیے کل ہی آئین میں ترمیم پر غور کرنا چاہیے۔ یہ بات مسٹر بھٹو نے ممکن ہے پہلے سے سوچ رکھی ہو لیکن اس موقع پر بالکل ہی بے محل معلوم ہوتی تھی۔ کہاں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی فیصلہ اور کہاں ووٹروں کی عمر کم کرنے کا معاملہ۔ خیر یہ تو بات کسی بحث کے بغیر ان سنی ہو گئی۔

توشہ آخرت

میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مژدہ لیے وزیر اعظم ہاؤس سے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہوئے اس یقین کے ساتھ نکلا کہ مجھ ایسے حقیر کو اس انتہائی اہم اور مقدس کام میں جو بھی حصہ مل گیا ہے 'انشاء اللہ میرے لیے توشہ آخرت ثابت ہو گا۔ واپس ہوٹل میں آیا اور الطاف حسن قریشی کو دن بھر کی روداد کا خلاصہ سنایا۔